بحث ونظر

محمد مشتاق احمد
لیکچرر شعبۂ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی

عصر حاضر میں جہاد سے متعلق مسائل

.....لاہور کی ایک غیر سرکاری تنظیم ''مجلس فکر ونظر'' کی جانب سے مارچ ۲۰۰۵ء میں لاہور میں جہاد اور دہشت گردی کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد کیا گیا۔ سیمینار سے قبل تنظیم کی جانب سے مختلف لوگوں کو ایک سوالنامہ بھی بھیجا گیا تھا۔ زیر نظر مقالہ اسی سوالنامے کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے ''آداب القتال'' سے صرف نظر کر کے صرف انہی سوالوں پر توجہ مرکوز رکھی جو ''علۃ القتال'' سے متعلق ہیں۔ اصحاب علم اس مقالے کو محض ایک طالب علم کی کاوش سمجھ کر دیکھیں۔ مقالہ نگار اپنی رائے کو حتمی نہیں سمجھتا۔ اس لئے اصلاح کی خاطر کی جانے والی ہر قسم کی تنقید کھلے دل سے قبول کی جائے گی۔.....

جہاد کی تعریف اور اقسام

اولاً: جہاد کی تعریف

جہاد جاھد یجاھد سے فعال کے وزن پر مصدر ہے۔ اس فعل کا دوسرا مصدر مفاعلۃ کے وزن پر مجاھدۃ ہے۔ بنیادی مادہ اس لفظ کا ج ھ د ہے۔ لغوی طور پر اس کے معنی انتہائی کوشش کے ہیں۔ شرعی اصطلاح کے طور پر یہ دو مفاہیم میں مستعمل ہے۔ ایک اس کا وسیع مفہوم ہے جس کے تحت دین کی سربلندی اور حفاظت کے لئے کی جانے والی ہر کوشش جہاد شمار ہوتی ہے۔ دوسرا اس کا خاص مفہوم ہے جس کے تحت دین کی سربلندی اور حفاظت کے لئے کی جانے والی مسلح جدوجہد ہی جہاد کہلاتی ہے، جسے ''قتال'' کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ گویا وسیع مفہوم میں قتال جہاد کی ایک قسم ہے، جبکہ بسا اوقات قتال اور جہاد مترادف کلمات کے طور پر بھی مستعمل ہوتے ہیں۔

دونوں مفاہیم میں اس کا استعمال قرآن وحدیث میں ہوا ہے۔ مکی سورتوں میں لفظ جہاد اپنے وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ الفرقان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: فلا تطع الکفرین و جاھدھم بہ جھادا کبیرا۔ (۱)

''پس آپ ان کافروں کی بات کا اثر نہ لیں اور اس قرآن کے ذریعے ان سے بڑا جہاد کیجیے۔''

اسی طرح سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہوا ہے:

و الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ، و ان اللہ لمع المحسنین ۔ (۲)

''اور جو لوگ ہماری خاطر سخت جدو جہد کر رہے ہیں ہم ضرور ان کو اپنی راہیں دکھائیں گے، اور یقیناً اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔''

سورۃ الحج کے مکی یا مدنی ہونے پر اختلاف ہے تاہم درج ذیل آیت کے متعلق جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ یہاں جہاد کا وسیع مفہوم ہی مراد ہے:

و جاھدوا فی اللہ حق جھادہ ۔ (۳) ''اور اللہ کی راہ میں جدو جہد کرو جیسا کہ اس کیلئے جدو جہد کا حق ہے۔''

مدنی سورتوں میں بالعموم لفظ جہاد کا استعمال قتال ہی کے مفہوم میں ہوا ہے۔

مثلاً سورۃ الحجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ و رسولہ ثم لم یرتابوا و جاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ ، اولئک ھم الصدقون ۔ (۴)

''حقیقت میں مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔''

اسی طرح سورۃ التوبۃ میں ارشاد ہوا ہے:

و اذا انزلت سورۃ ان آمنوا باللہ و جاھدوا مع رسولہ استاذنک اولوا الطول منھم ، و قالوا ذرنا نکن مع القعدین ۔ (۵)

''جب کبھی کوئی سورت اس مضمون کی نازل ہوئی کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی معیت میں جہاد کرو تو ان میں سے مقدرت رکھنے والوں نے ہی آپ سے اجازت طلب کی کہ ان کو جہاد میں شرکت سے معاف کیا جائے اور کہنے لگے ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہیں۔''

جہاد کے وسیع مفہوم کے متعلق امام ابن تیمیہ کہتے ہیں:

الجھاد اما ان یکون بالقلب کالعزم علیہ ، او بالدعوۃ الی الاسلام و شرائعہ ، او باقامۃ الحجۃ علی المبطل ، او ببیان الحق و ازالۃ الشبھۃ ، او بالرأی و التدبیر فی ما فیہ نفع المسلمین ، او بالقتال نفسہ ۔ فیجب الجھاد بغایۃ ما یمکنہ ۔ (۶)

''جہاد یا تو دل کے ذریعے کیا جاتا ہے جیسے جہاد کا عزم، یا اسلام اور اس کے احکامات کی طرف دعوت کے ذریعے، یا غلط کاروں پر حجت قائم کر کے، یا حق کی وضاحت اور شبہے کے ازالے کے ذریعے، یا مسلمانوں کے نفع کے کام کے لئے فکر اور تدبیر کے ذریعے، یا نفس قتال ہی کے ذریعے۔ پس جو ذریعہ بھی ممکن ہو اس کے ذریعے جہاد واجب ہے۔''

البتہ نفس کو خدا کا مطیع کرنے کے لئے کی جانے والی کوشش کے لئے عام طور پر جہاد کے بجائے ''مجاہدہ'' کا لفظ بولا

جاتا ہے۔ اسی طرح شریعت کے نصوص اور اصول وقواعد نیز فلسفۂ وحکمت تشریع کی روشنی میں نت نئے مسائل کا حل ڈھونڈنا بھی جہاد کے وسیع مفہوم میں شامل ہے، تاہم اس کے لئے عام طور پر مستعمل لفظ ''اجتہاد'' ہے۔

فقہاء ومحدثین اور علمائے امت کے محاورے میں لفظ جہاد ''قتال'' ہی کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث وفقہ کی کتب میں "کتاب الجهاد" کے عنوان کے تحت قتال ہی کے احکام ذکر ہوتے ہیں۔ اسی سبب سے بعض کتب (مثلاً صحیح بخاری) میں "کتاب الجهاد" کے بجائے یا اس کے ساتھ ساتھ "کتاب المغازی" کا عنوان ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک متعلقہ اصطلاحی لفظ "سیر" کا بھی ہے۔ سیر جمع ہے "سیرۃ" کا، جس کا مطلب ہے ''طریقہ، طرز عمل، کردار''۔ رسول اللہ ﷺ کے سوانح کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور جہاد بمعنی قتال کے شرعی احکام کے لئے بھی۔ اس مؤخر الذکر مفہوم کی وجہ سے ہی قتال کے احکام پر لکھی جانے والی ابتدائی کتب کا عنوان "کتاب السیر" ہی ہوتا تھا (مثلاً محمد بن الحسن الشیبانی کی کتاب السیر الصغیر اور کتاب السیر الکبیر)۔ قتال کے احکام پر مبنی کتاب کو السیر کے نام سے معنون کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کتاب میں مقاتلین یعنی برسر جنگ لوگوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے طرز عمل کی وضاحت ہوتی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس طرز عمل کے لئے بنیادی طور پر رہنمائی رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل اور انہی کے سوانح یا سیرت سے لی جاتی تھی۔ یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوانح کے لئے سیرت کے علاوہ عام طور پر مستعمل لفظ "مغازی" ہی تھا (مثلاً مغازی ابن اسحاق وغیرہ)۔

پس مسلم یا غیر مسلم معاشرے میں اعلاء کلمة الله کے لئے کی جانے والی ہر کوشش جہاد کے وسیع مفہوم میں شامل ہے، اسی طرح دینی احکام پر عمل کے لئے اپنی ذات کی اصلاح کے لئے کوشش بھی جہاد کے وسیع مفہوم میں شامل ہے، تاہم ایسی کوششیں قتال (جو جہاد کا خاص مفہوم ہے) نہیں کہلائی جاسکتیں، نہ ہی یہ کوششیں قتال کا بدل ہو سکتی ہیں۔ گویا جہاں شریعت کے احکام کی روشنی میں قتال فرض ہو چکا ہو وہاں جہاد کی دوسری اقسام پر عمل پیرا ہونے سے قتال کا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔ اپنی اصلاح کی کوشش، یا اصلاح معاشرہ کی جدوجہد مستقل فرائض ہیں اور قتال (جب اس کی فرضیت کے اسباب موجود ہوں) ایک مستقل فریضہ ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے نماز کی ادائیگی کسی ایسے شخص کو فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مبرا نہیں کرسکتی جس پر زکوٰۃ فرض ہو چکی ہو۔

ثانیاً: جہاد ''دفاعی'' یا ''اقدامی''؟

کئی وجوہ سے جہاد کیلئے ''دفاعی'' اور ''اقدامی'' کی تقسیم صحیح نہیں ہے۔[۷] پہلے تو یہی بات متنازع فیہ ہے کہ کون سے حالات دفاع کے تحت آتے ہیں اور کس کارروائی کو اقدام کہا جائے گا۔ مثلاً ایسی صورت میں جبکہ ایک دفعہ جنگ ہو چکی ہو اور کسی مستقل معاہدۂ امن کے بغیر فریقین اپنے اپنے مورچوں میں واپس چلے گئے ہوں اور پھر ایک

فریق حملے میں پہل کرے تو اسے پچھلی جنگ کا تسلسل قرار دے کر دفاعی بھی کہا جا سکتا ہے، جبکہ اسے ایک نیا حملہ قرار دے کر اقدامی بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کسی غیر مسلم ملک یا کسی دوسرے مسلم ملک میں مقیم مسلمانوں پر حملے کی صورت میں ان کی مدد کو دفاع بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور اقدام بھی۔ نیز اقدامی جہاد کی ترکیب سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ کوئی مستقل جنگ (Perpetual War) ہوگی، حالانکہ جہاد اس سے یقیناً مختلف ہے۔ اسی طرح دفاعی جہاد کی ترکیب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حملے میں پہل ناجائز ہے، جبکہ بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں پہل واجب ہو جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دفاع کا حق ایک فطری حق ہے جس کے لئے خصوصی تشریع کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تشریع کی اگر ضرورت تھی تو اس سلسلے میں تھی کہ دفاع کے حدود (Scope) متعین کئے جائیں، نیز وہ صورتیں بتائی جائیں جہاں حملے میں پہل یا اقدام جائز اور بعض اوقات واجب ہو جاتا ہے۔ مزید برآں جہاد کو دفاع تک محدود کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ اقوام متحدہ کے چارٹر اور بین الاقوامی قانون کے تحت ''جائز جنگ'' محض دفاع تک ہی محدود نہیں ہے، بعض صورتوں میں اقدامی جنگ بھی جائز بلکہ واجب ہو جاتی ہے (مثلاً جب اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل چارٹر کے باب ہفتم کے تحت متعین کرے کہ کسی ملک کی جانب سے امن عالم کو خطرہ [Threat to the Peace] ہے)۔(۸)

رسول اللہ ﷺ نے جو جنگیں لڑی ہیں انہیں بھی محض دفاعی جنگیں نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یقیناً ان میں اکثر جنگیں یا تو دفاعی ضرورت کے تحت لڑی گئیں یا وہ دراصل پچھلی جنگوں کا تسلسل تھیں، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے حملے میں پہل کی ہے (مثلاً غزوۂ خیبر یا غزوۂ تبوک)۔ ان جنگوں کو تبھی دفاع کہا جا سکے گا جب دفاع کا بہت ہی وسیع مفہوم لیا جائے یعنی اس میں پیش بندی کے اقدام (Pre-emptive Strike) کا حق بھی شامل سمجھا جائے۔ اب یہ بھی حقیقت ہے کہ پیش بندی کے اقدام کو ایک جانب سے دفاع اور دوسری جانب سے اقدام قرار دیا جائے گا۔ مزید برآں جس جنگ کا اعلان سورۃ التوبۃ میں کیا گیا ہے اسے تو کسی صورت بھی دفاع نہیں قرار دیا جا سکتا۔

فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم، و خذوهم و احصروهم و اقعدوا لهم كل مرصد، فان تابوا و اقاموا الصلوٰة و آتوا الزكوٰة فخلوا سبيلهم، ان الله غفور رحيم۔(۹)

''پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی انہیں پاؤ، اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لئے بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی جنگوں اور ان سے متعلقہ آیات واحادیث پر غور کرنے سے یہ حقیقت بالکل واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ ان جنگوں میں رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کے لئے عذاب الٰہی کا پہلو بھی شامل تھا۔ رسول اپنی قوم پر اللہ کی حجت تمام کرنے کے لئے آتا ہے۔ وہ قوم کے لئے حق اور باطل اس طرح واضح کر دیتا ہے کہ کسی کے پاس نہ ماننے کے لئے کوئی بہانہ یا دلیل باقی نہیں رہ جاتی۔ اس کے بعد بھی جو لوگ حق کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیتے ہیں ان کے لئے اسی دنیا میں خدا کی عدالت قائم ہو جاتی ہے اور رسول کی زندگی میں ہی انہیں نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ پچھلی اقوام کے لئے عذاب الٰہی قدرتی آفتوں کی صورت میں نمودار ہوا، جبکہ خاتم النبیین ﷺ کے مخالفین کے لئے صحابہ کی تلواریں عذاب کا کوڑا بن گئیں۔ (۱۰)

قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم۔ (۱۱) ''ان سے لڑو تا کہ اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب دے''

پس رسول اللہ ﷺ کی جنگوں کا یہ مخصوص پہلو ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اس قسم کی جنگیں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے بعد نہیں لڑی جا سکتیں۔ یہ ایک مخصوص حکم تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ اس نکتے کی وضاحت کے لئے کچھ تفصیل ضروری ہے۔ رسول کو اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے لئے بھیجتا ہے۔

رسلا مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل۔ (۱۲)

''یہ سارے رسول خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تا کہ ان کو مبعوث کرنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی حجت باقی نہ رہے۔''

اتمام حجت کے بعد بھی حق کا انکار کرنے والوں کو لازماً سزا دی جاتی ہے اور اس سلسلے میں عدالت یہیں اس دنیا میں برپا ہو جاتی ہے۔

و لکل امۃ رسول، فاذا جآء رسولھم قضی بینھم بالقسط و ھم لا یظلمون۔ (۱۳)

''ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔ پھر جب کسی امت کے پاس اس کا رسول آجاتا ہے تو اس کا فیصلہ پورے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا۔''

رسول کو اس کی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کر دیتا ہے۔ ان الذین یحادون اللہ و رسولہ اولئک فی الاذلین۔ کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی۔ ان اللہ قوی عزیز۔ (۱۴)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محاذ آرائی کرتے ہیں وہ یقیناً ذلیل ترین ہو کر رہیں گے۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔ یقیناً اللہ زور آور اور زبردست ہے۔''

رسول کے مکذبین جب رسول کو قتل کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں تو ان کے اقدام سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو آگاہ کر کے ہجرت کا حکم دے دیتا ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا گیا:

انہ لن یؤمن من قومک الا من قد آمن ، فلا تبتئس بما کانوا یفعلون ۔ و اصنع الفلک باعیننا و وحینا ۔ (۱۵) ''تمہاری قوم میں مزید کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے جو لوگ ایمان لانے والے تھے وہ ایمان لا چکے، پس ان کے کرتوتوں پر غم کرنا چھوڑ دو اور ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔''

حضرت لوط علیہ السلام سے ارشاد ہوا: فاسر باھلک بقطع من اللیل ۔ (۱۶)

''پس تو کچھ رات رہے اپنے اہل وعیال کو لے کر نکل جا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا: اسر بعبادی انکم متبعون ۔ (۱۷)

''راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ، تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہوا: و ان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منھا و اذا لا یلبثون خلفک الا قلیلا ۔ سنۃ من قد ارسلنا قبلک من رسلنا ، و لا تجد لسنتنا تحویلا ۔ (۱۸) ''اور یہ لوگ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اس سرزمین سے تمہارے پیر اکھاڑ دیں اور تمہیں یہاں سے نکال باہر کر دیں۔ لیکن اگر انہوں نے ایسا کیا تو خود یہ تمہارے نکل جانے کے بعد یہاں کچھ زیادہ دیر ٹھہر نہ سکیں گے۔ یہ ہمارا مستقل طریق کار ہے جو ہم نے ان تمام رسولوں کے معاملے میں برتا ہے جنہیں تم سے پہلے ہم نے بھیجا تھا، اور تم ہمارے طریق کار میں کوئی تغیر نہیں پاؤ گے۔''

رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کی دعا بھی سکھا دی گئی: قل رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق و اجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا ۔ و قل جآء الحق و زھق الباطل ، ان الباطل کان زھوقا ۔ (۱۹) ''اور دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال، اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا۔ اور اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو ہے ہی مٹنے والا۔''

رسول کی ہجرت کے بعد قوم سے امان اٹھ جاتی ہے۔ وہ عذاب الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہے۔ و اذ قالوا اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السمآء او ائتنا بعذاب الیم ۔ و ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم ، و ما کان اللہ معذبھم و ھم یستغفرون ۔ (۲۰) ''اور وہ بات بھی یاد کرو جب انہوں نے کہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ اور اللہ اس وقت تو ان کو عذاب دینے والا نہیں تھا جبکہ تم ان میں موجود تھے، اور اگر یہ مغفرت طلب کریں تو اللہ اب بھی ان کو عذاب دینے والا نہیں۔''

رسول کے مکذبین پر یہ عذاب مختلف شکلوں میں نازل ہوتا رہا۔

فکلا اخذنا بذنبه ، فمنهم من ارسلنا عليه حاصبا ، و منهم من اخذته الصيحة ، و منهم من خسفنا به الارض ، و منهم من اغرقنا ، و ما كان الله ليظلمهم ، و لكن كانوا انفسهم يظلمون ۔ (۲۱) ''آخر کار ہم نے ہر ایک کو اس کے جرم میں پکڑا۔ پس ان میں سے بعض پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی، اور کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا، اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور کسی کو غرق کر دیا۔ اور اللہ تو ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا، بلکہ یہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔''

رسول اللہ ﷺ کی قوم پر اس عذاب کا پہلا کوڑا غزوۂ بدر کی صورت میں برسا۔ اس جنگ میں قریش مکہ کے تمام اہم سردار مارے گئے۔

ان تستفتحوا فقد جآء كم الفتح ، و ان تنتهوا فهو خير لكم ، و ان تعودوا نعد ، و لن تغنى عنكم فئتكم شيئا و لو كثرت ، و ان الله مع المؤمنين ۔ (۲۲)

''اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو لو! فیصلہ تمہارے سامنے آچکا۔ اب باز آجاؤ تو تمہارے لئے ہی بہتر ہے۔ اور اگر پلٹ کر وہی کرتوت دہراؤ گے تو ہم بھی وہی سزا دیں گے۔ اور تمہاری جمعیت، خواہ وہ کتنی ہی زیادہ ہو، تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی۔ اور جان لو کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔''

پھر مختلف جنگوں میں حق پرستوں اور باطل پرستوں کا ٹکراؤ ہوتا رہا اور حق اور باطل بالکل ہی ایک دوسرے سے ممیز ہو کر سامنے آگئے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک اور ناقابل تبدیل سنت ظاہر کر دی۔

انزل من السمآء مآء ، فسالت اودية بقدرها فاحتمل السيل زبدا رابيا ، و مما يوقدون عليه فى النار ابتغآء حلية او متاع زبد مثله ، كذلك يضرب الله الحق و الباطل ، فاما الزبد فيذهب جفآء ، و اما ما ينفع الناس فيمكث فى الارض ، كذلك يضرب الله الامثال ۔ (۲۳)

''اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا، پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آگئے۔ اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر بھی اٹھتے ہیں جنہیں زیور اور دیگر چیزیں بنانے کے لئے لوگ پگھلایا کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل کا ٹکراؤ کراتا ہے۔ جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لئے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اس طرح اللہ اپنی بات مثالوں سے سمجھاتا ہے۔''

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کے لئے موقع تھا کہ وہ مکہ فتح کرتے، مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضا یہ تھا کہ ابھی مکہ فتح نہ ہو۔

و هو الذى كف ايديهم عنكم و ايديكم عنهم ببطن مكة من بعد ان اظفر

کم علیھم ، و کان اللہ بما تعملون بصیرا ۔ ھم الذین کفروا و صدوکم عن المسجد الحرام و الھدی معکوفا ان یبلغ محلہ ، و لو لا رجال مؤمنون و نسآء مؤمنات لم تعلموھم ان تطؤھم فتصیبکم منھم معرۃ بغیر علم ، لیدخل اللہ فی رحمتہ من یشآء ، لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا منھم عذابا الیما ۔ (۲۴)

''وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے ۔ حالانکہ وہ ان پر تمہیں غلبہ عطا کر چکا تھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ اسے دیکھ رہا تھا ۔ وہی لوگ تو ہیں جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور ہدی کے اونٹوں کو ان کی قربانی کی جگہ نہ پہنچنے دیا ۔ اللہ ایسا نہ کرتا اگر مکہ میں ایسے مومن مرد ع عورت موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے ، اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ نادانستگی میں تم انہیں پامال کر دو گے تو اس سے تم پر حرف آئے گا ۔ یہ اللہ نے اس لئے کیا کہ جسے اللہ چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے ۔ اگر وہ مومن الگ ہو گئے ہوتے تو ان اہل مکہ میں سے جو کافر تھے ان کو ہم ضرور سخت عذاب دیتے ۔''

بالآخر جب مومن اور کافر الگ الگ ہو گئے اور مکہ فتح ہوا تو کافروں کے لئے آخری حکم سورۃ التوبۃ میں نازل ہوا ۔

فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم ، و خذوھم و احصروھم و اقعدوا لھم کل مرصد ، فان تابوا و اقاموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم ، ان اللہ غفور رحیم ۔ (۲۵)

''پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی انہیں پاؤ ، اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لئے بیٹھو ۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو ۔ یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۔''

رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان مبارک کا یہی صحیح محل ہے :

امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ ، و یقیموا الصلوۃ و یؤتوا الزکوۃ ۔ فاذا فعلوھا عصموا منی دمآئھم و اموالھم الا بحقھا ، و حسابھم علی اللہ ۔ (۲۶)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں ، اور نماز قائم کریں ، اور زکاۃ دیں ۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اپنی جانیں اور اپنے اموال مجھ سے بچا لیں گے ، سوائے اس حق کے جو اسلام کے اقرار سے ان پر عائد ہوتا ہو ، اور ان کے ساتھ محاسبہ اللہ کا کام ہوگا ۔''

یوں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی سنت کے عین مطابق غلبہ اور تمکن حاصل ہوا۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله و لو کره المشرکون۔ (۲۷)

''وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پورے دین پر غالب کر دے، خواہ یہ ان مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے جزیرۃ العرب کو دین اسلام کے لئے مخصوص کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لا یجتمع دینان فی جزیرة العرب۔ (۲۸) ''جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔''

ثالثاً: علة القتال اور غاية القتال

جہاد کے حکم کی صحیح نوعیت اور وسعت معلوم کرنے کے لیے دفاعی اور اقدامی کی بحث سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ اس حکم کی ''علت'' اور ''غایت'' کی تحقیق کی جائے۔

فقہاء کے ایک گروہ کا موقف یہ تھا کہ قتال کی علت ''کفر'' ہے۔ یہ قول امام شافعی اور بعض ظاہریہ و حنابلہ سے مروی ہے۔ (۲۹) اس قول کے بموجب کفر کا وجود جب تک باقی رہے گا قتال جاری رہے گا۔ لیکن اس قول پر چند قوی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے صراحتاً عورتوں، بچوں اور دیگر غیر مقاتلین کے قتل سے منع فرمایا۔ اگر قتال کی علت کفر تھی تو اس استثناء کی کیا حیثیت ہوگی؟ مزید یہ کہ اگر قتال کی علت کفر ہو تو جنگ اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک کہ تمام کفار مسلمان نہ ہو جائیں، یہاں تک کہ ہتھیار ڈالنے والوں کے لئے بھی بس دو ہی راہیں ہوں گی؛ اسلام قبول کر لیں، نہیں تو انہیں قتل کیا جائے گا۔ اس طرح یہ قول بنیادی قرآنی اصول لا اکراہ فی الدین سے متصادم ہو جاتا ہے۔ نیز اس قول کے بموجب اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی اقامت اور ان سے جزیے کی وصولی بھی ناجائز ہو جاتی ہے۔

ان قباحتوں کے پیش نظر بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ قتال کی علت ''کفر'' نہیں بلکہ ''شوکت کفر'' ہے۔ گویا غیر مسلموں کو ان کے دین پر عمل کی اجازت تو ہوگی مگر انہیں یہ حق نہیں حاصل ہوگا کہ وہ منظم ریاست کی صورت میں رہیں، اور قتال اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کفر کی شان و شوکت باقی ہے۔ جب اسلام اور مسلمانوں کی بالادستی قائم ہو جائے تو غیر مسلموں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اسلامی ریاست کے زیر سایہ اپنے مذہب پر عمل کریں، انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ان دونوں اقوال کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اسلامی ریاست غیر مسلم ریاست یا ریاستوں کے ساتھ مسلسل برسر جنگ رہے گی، امن کا معاہدہ اول تو کیا نہیں جائے گا، اور اگر کسی مصلحت یا ضرورت کے تحت کیا گیا تو وہ موقت ہوگا

جس کی حیثیت جنگ بندی (Armistice) کی ہوگی۔

جمہور فقہاء، جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک اور شافعیہ وحنابلہ کی اکثریت شامل ہے، کی رائے یہ ہے کہ قتال کی علت ''کفر'' یا ''شوکت کفر'' نہیں بلکہ "محاربۃ" (Aggression) ہے۔[۳۰] اس قول کے بموجب قتال اس وقت تک جاری رہے گا جب تک مخالفین کی جانب سے محاربہ پایا جائے۔ جب وہ محاربہ ترک کر کے امن کے ساتھ رہنے پر آمادہ ہوں تو ان کے ساتھ جنگ نہیں کی جائے گی۔ اس قول کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ امن کا معاہدہ جائز ہو، چاہے یہ معاہدہ موقت ہو یا وقت کی قید سے آزاد ہو۔ محاربے کے تحت مختلف صورتیں آتی ہیں۔ مثلاً اسلامی ریاست پر حملہ، یا حملے کی تیاری، حملہ آوروں کی مدد، امن معاہدے کی بنیادی شقوں کی خلاف ورزی، غیر مسلم ملک میں مقیم مسلمانوں پر مظالم بالخصوص انہیں دین پر عمل سے روکنا وغیرہ۔ اسی طرح اسلام کی ترویج واشاعت کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا بھی محاربے میں شمار ہوتا ہے اور اس کی بعض سنگین صورتوں میں جنگ جائز ہو جاتی ہے۔

جن لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ قتال کی علت ''کفر'' یا ''شوکت کفر'' ہے ان کا استدلال بنیادی طور پر تین طرح کا ہے:

اولاً: ان آیات واحادیث سے استدلال جن میں کفر واسلام کی مستقل جنگ کا ذکر ہے۔ مثلاً سورۃ الممتحنہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قد كانت لكم اسوة حسنة في ابراهيم و الذين معه ، اذ قالوا لقومهم انا برء اؤ منكم و مما تعبدون من دون الله ، كفرنا بكم ، و بدا بيننا و بينكم العداوة و البغضآء ابدا حتى تؤمنوا بالله وحده۔[۳۱]

''تم لوگوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے طرز عمل میں بہترین نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے، جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا، جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔''

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی آیات سے استدلال انتہائی ضعیف ہے۔ کفر اور اسلام کی جنگ اعتقادی اور نظری سطح پر ہمیشہ سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ لیکن اس سے مستلزم نہیں آتا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں بھی مستقل جنگ کا سلسلہ جاری رہے۔ اسی سورۃ الممتحنہ میں آگے ارشاد ہوا ہے:

لا ينهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين و لم يخرجوكم من ديارکم ان تبروهم و تقسطوا اليهم ، ان الله يحب المقسطين۔[۳۲]

''اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں سے نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اسی طرح سورۃ النساء میں ارشاد ہوا ہے: فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم و القوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا (۳۳) ''پس اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور لڑنے سے باز رہیں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان سے لڑنے کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔''

ثانیاً: ان آیات واحادیث سے استدلال جن میں قتال کے فریضے کا مطلقاً ذکر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ التوبۃ میں حکم ہوا ہے: قاتلوا الذین یلونکم من الکفار و لیجدوا فیکم غلظۃ۔ (۳۴)

''اے ایمان والو! جنگ کرو ان کفار سے جو تمہارے قریب ہیں، اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں۔''

لیکن دوسری طرف وہ آیات ہیں جو قتال کے حکم کو محاربے کے ساتھ مقید کر دیتی ہیں۔ مثلاً سورۃ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم، و لا تعتدوا، ان اللہ لا یحب المعتدین۔ (۳۵) ''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو، کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

ایسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ سورۃ التوبۃ کی آیات نے سورۃ البقرۃ کی آیات کو منسوخ کر دیا ہے۔ لیکن یہ دلیل انتہائی ضعیف ہے کیونکہ نسخ کی طرف تبھی جایا جاتا ہے جب جمع ممکن نہ ہو، جبکہ یہاں حمل المطلق علی المقید کے قاعدے پر جمع ممکن ہے۔ اور پھر سورۃ البقرۃ کی آیات کس طرح منسوخ ہو سکتی ہیں جبکہ وہ قتال کی علت بیان کر رہی ہیں؟

ثالثاً: رسول اللہ ﷺ نے کفار کے ساتھ جو جنگیں لڑیں ان سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اسی طرح ہر دور کے کفار کے ساتھ اس وقت تک جنگ لڑی جائے گی جب تک کہ وہ اسلامی ریاست کے ماتحت زندگی بسر کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ مگر یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ، جیسا کہ پچھلی سطور میں تفصیل سے واضح کیا گیا، یہ رسول کے براہ راست مخاطبین کے لئے ایک مخصوص معاملہ تھا اور اس کا عام جنگوں اور جہاد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی جنگوں میں محاربے کے ساتھ ساتھ شوکت کفر کی علت بھی کارفرما تھی۔ بلکہ جن پر حجت تمام ہو چکی اور پھر بھی وہ کفر کی ایک خاص قسم، شرک، پر قائم رہے تو ان کے لئے تو آخری حکم قتل ہی کا تھا۔ تاہم بعد کے ادوار کے لئے قتال کی علت محاربہ ہی ہے اور اس کی غایت محاربے کا خاتمہ ہے۔

امام سرخسی فرماتے ہیں: و المقصود ان یامن المسلمون و یتمکنوا من القیام بمصالح دینھم و دنیاھم۔ (۳۶)

''اور مقصود یہ ہے کہ مومن امن سے رہیں اور ان کے لئے اپنے دین اور دنیا کے مصالح کا حصول ممکن ہو سکے۔''

اس موقف پر یہ اعتراض کیا گیا کہ حدیث مبارکہ میں جہاد کے ہمیشہ جاری رہنے کا اعلان کیا گیا ہے۔

الجهاد ماض منذ بعثني الله الى ان يقاتل آخر امتي الدجال ، لا يبطله جور جائر و لا عدل عادل ۔ (۳۷)

''جہاد جاری ہے جب سے مجھے اللہ نے بھیجا ہے یہاں تک کہ میری امت کے آخری لوگ دجال سے جنگ کریں، اسے ظالم کا ظلم باطل کر سکے گا نہ عادل کا عدل۔''

یہ اعتراض کئی وجوہ سے بے وزن ہے۔ اولاً تو ابوداؤد کے ترجمۃ الباب (باب في الغزو مع ائمة الجور) سے واضح ہوتا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جہاد ہر حکمران کی اطاعت میں کیا جائے گا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ فلاں حکمران فاسق ہے اس لئے اس کی اطاعت میں جہاد نہیں کیا جائے گا، بلکہ جب بھی جہاد کا سبب پایا جائے گا جہاد کیا جائے گا، چاہے جہاد کے لئے بلانے والا حکمران ظالم ہو یا عادل ہو۔ ایک اور روایت میں یہی یوں کہی گئی ہے:

الجهاد واجب مع كل امير برا كان او فاجرا ۔ (۳۸)

''جہاد ہر امیر کے ساتھ، چاہے وہ نیک ہو یا بد، واجب ہے''

نیز یہ حدیث دیگر کئی آیات و احادیث کی طرح جہاد کی فرضیت بیان کر رہی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جہاد کی فرضیت تا قیامت قائم رہے گی اور منسوخ نہیں ہوگی۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ مسلمان ایک مسلسل جنگ (Perpetual War) جاری رکھیں، چاہے کوئی ان سے جنگ کرے یا نہ کرے، اور چاہے کسی نے محاربے کا ارتکاب کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ بلکہ جب بھی قتال کا سبب پایا جائے گا قتال کیا جائے گا۔ مثلاً صلوٰۃ و زکوٰۃ کی فرضیت بھی تا قیامت قائم رہے گی، مگر اس پر عمل تبھی ہوگا جب فرضیت کا سبب پایا جائے گا (مثلاً نماز ظہر کے لئے زوال شمس، یا زکوٰۃ کے لئے نصاب کے برابر مال کی ملکیت)۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں رسالت کی ابتدا سے ''جہاد'' کا ذکر ہے، اور معلوم ہے کہ مکی دور میں جہاد کا لفظ وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا تھا۔ پس حدیث میں اسی وسیع مفہوم میں جہاد کے جاری رہنے کا ذکر ہے۔ البتہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کی خاص اور اعلیٰ قسم، قتال، کا سبب ہوگا تو قتال بھی جاری رہے گا۔ پس قیامت سے کچھ قبل بھی مومن دجال کے خلاف قتال کریں گے۔

پھر اگر اس حدیث کا یہ مفہوم لیا جائے کہ جہاد بمعنی قتال کی کاروائی تا قیامت بغیر کسی انقطاع کے جاری رہے گی تو اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں قتال کے اسباب یعنی محاربے کی مختلف صورتیں قیامت تک موجود رہیں گی اس لئے قتال بھی جاری رہے گا۔ گویا اس حدیث کی حیثیت پیش گوئی کی ہو جائیگی۔ کسی بھی آیت یا حدیث کو اس کے مخصوص سیاق و سباق اور دیگر آیات و احادیث کے ذخیرے سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔

رابعاً: حکم جہاد کی نوعیت

جہاد کی مختلف صورتوں کا حکم مختلف ہوگا۔ مجاہدۃ النفس جو جہاد کے وسیع مفہوم میں داخل ہے فرض عین ہے۔ اجتہاد فرض

کفائی ہے۔ قتال عام حالات میں فرض کفائی ہے جبکہ بعض اوقات (مثلاً نفیر عام کی صورت میں) یہ فرض عینی ہو جاتا ہے۔ دراصل ہر فرض کفائی عام حالات میں ہی فرض کفائی ہوتا ہے۔ مخصوص حالات میں فرض کفائی فرض عین میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً ڈوبتے شخص کو بچانے کے لئے اگر تین بندے موجود ہوں اور بچانے کے لئے ایک بھی کافی ہو تو ان تینوں کے لئے یہ فرض کفائی ہوگا، اور ان میں جو بھی یہ فریضہ ادا کرے تو باقیوں کے ذمے سے فرض ساقط ہو جائے گا، اور اگر کسی نے بھی فرض ادا نہیں کیا تو تینوں گنہگار ہوں گے۔ تاہم اگر بچانے کے لئے ایک ہی شخص ہو تو اس کے لئے یہ فرض عینی ہو جائے گا۔

بعینہ اسی طرح اگر کافی لوگ قتال کا فریضہ ادا کر رہے ہوں تو اس فریضے کی حیثیت فرض کفائی کی ہوگی۔ ایسی صورت میں عورت اپنے شوہر یا ولی کی اجازت کے بغیر اور مرد اپنے والدین کی اجازت کے بغیر قتال کے لئے نہیں جا سکتے۔ البتہ جب قتال کی حیثیت فرض عینی کی ہو جائے تو پھر کسی سے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسی صورت میں اگر ماں باپ جہاد سے روکیں تو ان کا حکم نہیں مانا جائے گا، جیسا کہ اس صورت میں بھی ماں باپ کا حکم نہیں مانا جا سکتا جب وہ صلوٰۃ کی ادائیگی سے روکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ اور دیگر انسانوں کی اطاعت اس وقت تک ہی جائز ہوتی ہے جب تک انکی اطاعت اللہ اور اسکے رسول کی معصیت کا ذریعہ نہ بنے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

لا طاعة لمخلوق فی معصية الله عز و جل (۳۹)

''جس معاملے میں اللہ عزوجل کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔''

اذن امام کی شرط اور جہادی تنظیموں کی حیثیت

جہاد کی فرضیت کا سبب اور علت تو یقیناً محاربہ ہے۔ البتہ اس کے لئے کئی شرائط ہیں جن کی موجودگی میں ہی یہ فرضیت عائد ہوگی۔ شرط مفقود ہو تو مشروط بھی مفقود ہوتا ہے (اذا فات الشرط فات المشروط)۔ البتہ بسا اوقات شریعت نے کسی شرط کی عدم موجودگی میں اس کے ''بدل'' کا تصور دیا ہے۔ اور اس ''بدل'' کی موجودگی شرط ہی کی موجودگی تصور ہوتی ہے، چنانچہ فرضیت بدل کی موجودگی میں بھی قائم رہتی ہے اور بدل کے ذریعے ادائیگی بھی صحیح متصور ہوتی ہے، یعنی فرض ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نماز کی صحت کے لئے وضوء شرط ہے۔ البتہ پانی کی عدم دستیابی یا کسی اور شرعی عذر کی بناء پر تیمم وضوء کا بدل اور قائم مقام بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں تیمم کے ذریعے صلوٰۃ کی ادائیگی نہ صرف صحیح بلکہ شرعاً مطلوب ہوتی ہے۔

اسی طرح جہاد کی ادائیگی کی صحت کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ حکومت اور نظم اجتماعی کے ماتحت رہ کر کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: الغزو غزوان۔ فاما من ابتغی وجه الله و اطاع الامام و انفق الكريمة و اجتنب الفساد فان نومه و نبهته اجر كله۔ و اما من غزا

رياء و سمعة و عصى الامام و افسد في الارض فانه لا يرجع بالكفاف۔ (۴۰)

''جنگیں دو قسم کی ہیں: جس شخص نے خاص اللہ کی خوشنودی کیلئے جنگ کی، امام کی اطاعت کی، اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے اجتناب کیا اس کا سونا اور جاگنا سب اجر کا مستحق ہے۔ اور جس نے دکھاوے اور شہرت کے لئے جنگ کی، امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی نہیں چھوٹے گا۔''

ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اطاعني فقد اطاع الله، و من يطع الامير فقد اطاعني، و من يعص الامير فقد عصاني۔ و انما الامام جنة يقاتل من ورآئه و يتقى به۔ فان امر بتقوى الله و عدل فان له بذلك اجرا، و ان قال بغيره فان عليه منه۔ (۴۱)

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ امام تو ڈھال ہے جس کے پیچھے رہ کر جنگ کی جاتی ہے اور جس کے ذریعے اپنا بچاؤ کیا جاتا ہے۔ پس اگر وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دے اور عدل کرے تو اس سب کا اجر اسے ملے گا، اور اگر وہ اس کے سوا کچھ اور حکم دے تو اس کا وبال بھی اس پر آئے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ حاکم چاہے اچھا ہو یا برا جہاد اسی کی امارت میں کیا جائے گا:

الجهاد واجب مع كل امير برا كان او فاجرا۔ (۴۲)

''جہاد ہر امیر کے ساتھ، چاہے وہ نیک ہو یا بد، واجب ہے''

ایک اور موقع پر فرمایا:

لا يدخل الجنة الا نفس مسلمة و ان الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر (۴۳)

''جنت میں صرف مومن ہی داخل ہونگے، البتہ اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد کسی فاجر شخص سے بھی کرتا ہے''

اسی بناء پر تمام فقہاء نے قرار دیا کہ جہاد حکمران کی اطاعت میں کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کے عظیم المرتبت شاگرد اور اپنے عہد کے چیف جسٹس امام ابو یوسف نے صراحتاً قرار دیا ہے کہ کوئی جہادی کاروائی حکمران یا اس کے نائب کی اجازت کے بغیر نہیں کی جائے گی۔

لا تسرى سرية بغير اذن الامام۔ (۴۴)

''کوئی لشکر کشی امام کی اجازت کے بغیر نہیں کی جائے گی۔''

مشہور حنبلی فقیہ ابن قدامہ کا قول ہے: و امر الجهاد موكول الى الامام و اجتهاده، و يلزم الرعية طاعته فيما يراه من ذلك۔ (۴۵)

''جہاد کا معاملہ امام اور اس کے اجتہاد کے حوالے ہے، اور وہ اس معاملے میں جو فیصلہ کرے رعیت پر لازم ہے کہ اس کی اطاعت کرے۔''

بلکہ امام ابوحنیفہ کے دوسرے اہم شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی، جو اسلام کے بین الاقوامی قانون کے اولین مدونین اور ماہرین میں تھے، نے تو صراحت کی ہے کہ ہم اسی قاعدے کو غیر مسلموں پر بھی لاگو کریں گے۔ چنانچہ اگر کسی غیر مسلم ملک کے چند افراد نے اسلامی ملک کے کسی علاقے پہ حملہ کیا تو حملہ آوروں کے خلاف تو کاروائی کی جائے گی لیکن اسے اس ملک کی جانب سے حملہ اس وقت تک نہیں تصور کیا جائے گا جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ حملہ اس ملک کی حکومت کی اجازت سے ہوا ہے۔ امام کاسانی اسی اصول کی بنیاد پر قرار دیتے ہیں کہ اگر غیر مسلم ملک کے چند باشندے اسلامی ملک کے ساتھ کیے گئے معاہدۂ امن کی خلاف ورزی کرلیں تو ان کے خلاف تو کاروائی کی جائے گی لیکن اسے اس ملک کی جانب سے معاہدے کے خاتمے کا اعلان صرف اسی صورت میں قرار دیا جائے گا جب یہ ثابت ہو کہ یہ کاروائی وہاں کی حکومت کی اجازت یا ایماء پر ہوئی تھی۔ گویا وہاں کی حکومت اس کاروائی میں ملوث نہ ہو تو اس کے ساتھ اور وہاں کی باقی رعایا کے ساتھ امن کا معاہدہ بدستور برقرار رہے گا۔ (۴۶)

یہ قاعدہ اور اصول کہ جنگی کاروائی حکومتی نظم کے تحت ہو صرف حملے ہی کے لئے نہیں بلکہ دفاع میں بھی اصول یہی ہے۔ جب مسلمان ملک پر حملہ ہو تو حکومت ہی مدافعت کرے گی اور وہی مختلف محاذوں پر فوجیں بھیجے گی۔ اسی طرح حکومت ہی نفیر عام کا فریضہ ادا کرے گی، یعنی وہی اعلان کرے گی کہ سارے ہی لوگ دفاع کے لئے اٹھ جائیں۔ (۴۷)

مزید برآں فقہاء نے اس کی بھی صراحت کی ہے جنگ سے متعلق دیگر جتنے امور ہیں ۔۔۔ جیسے مقبوضہ علاقوں اور آبادی نیز جنگی قیدیوں کے مستقبل کے متعلق فیصلہ، جنگ بندی یا مستقل امن کا معاہدہ طے کرنا وغیرہ ۔۔ تو یہ سب حکومت کے کرنے کے کام ہیں۔ (۴۸)

البتہ یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے: ایک یہ کہ موجودہ دور میں اس شرط سے عام طور پر نتیجہ یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یہ حکومت کا حق (Prerogative) ہے، جبکہ اس کے برعکس فقہاء جہاد کو حکومت کا فریضہ قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے فریضے کو حق میں تبدیل کرنے سے پورا مفہوم اور مدعا ہی بدل جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ بعض استثنائی صورتیں ایسی ہیں جن میں یہ شرط ساقط ہو جاتی ہے، یا تو اس وجہ سے کہ اس شرط پر عمل ممکن ہی نہیں رہ جاتا اور یا اس وجہ سے کہ اس شرط کا شرعی بدل موجود ہوتا ہے۔ ان صورتوں کی کچھ وضاحت یہاں کی جاتی ہے۔

اولاً: اچانک حملہ اور حق دفاع شخصی

اگر حملہ اچانک ہو اور مرکزی حکومت یا اس کے نائبین کے ساتھ رابطہ ممکن نہ ہو، یا اس میں بہت سخت نقصان

کا اندیشہ ہو تو پھر حملے کی زد میں آئے ہوئے لوگ خود ہی مدافعت کا فرض ادا کریں گے اور ان کے لئے حکومت یا کسی بھی شخص کی اجازت ضروری نہیں ہوگی۔ اس کا ایک سبب تو وہی ہے جو پیچھے ذکر ہوا کہ ایسی صورت میں دفاع کا فریضہ فرض عینی کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے، اور فرض عینی کی ادائیگی میں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسرا سبب اس کا یہ ہے کہ ایسی صورت میں دفاع صرف فریضہ ہی نہیں بلکہ حق بھی ہوتا ہے۔ اپنی جان، مال اور عزت بچانا ہر شخص کا حق ہے اور حملہ آور کے خلاف اس کے حملے کو روکنے اور خطرہ دفع کرنے کے لئے طاقت کا استعمال بھی ہر انسان کا حق ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی ایک مثال حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی کاروائی ہے جو انہوں نے اچانک حملہ کرنے والوں کے خلاف کی تھی اور جس کے لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے موقع پر یا پیشگی اجازت نہیں لی تھی۔ (۴۹)

ثانیاً: حکومت کی خاموش تائید جو اجازت کے قائم مقام ہو جاتی ہے

بعض اوقات کسی فرد یا جتھے کو حکومت باقاعدہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ جا کے مخالفین کے خلاف فوجی کاروائی کرے۔ تاہم حکومت کے مختلف اقدامات، بلکہ بعض اوقات اس کی خاموشی بھی، اجازت کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل امام سرخسی نے یوں بیان کی ہے کہ مخالفین کے خلاف کاروائی کرنے والے چار طرح کے ہو سکتے ہیں: یا تو وہ ایک یا چند ہی افراد ہوں گے جو کچھ خاص فوجی اور سیاسی طاقت (منعة) نہ رکھتے ہوں؛ یا وہ ایک مضبوط جتھے کی صورت میں جو منعة رکھتے ہوں کاروائی کریں گے۔ پھر ہر دو صورتوں میں انہیں یا تو حکومت کی اجازت حاصل ہوگی یا نہیں ہوگی۔

۱) پس اگر وہ چند ہی لوگ ہوں جو منعة نہ رکھتے ہوں اور انہیں حکومت کی اجازت بھی حاصل نہ ہو تو سرخسی کے الفاظ میں ان کی حیثیت چوروں اور ڈاکوؤں کی ہوگی۔ اگر وہ وہاں پھنس جائیں تو مسلمانوں کی حکومت پر ان کی مدد واجب نہیں ہوگی اور اگر وہ کچھ مال حاصل کر لیں تو اسے مال غنیمت کی حیثیت بھی حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ مال غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو اعلاء کلمة الله کی راہ میں مل جائے اور جسے مقصود اصلی کی حیثیت حاصل نہ ہو۔

۲) اگر وہ چند ہی لوگ ہوں اور انہیں حکومت نے اجازت دی ہو تو ان کی حیثیت حکومت کے نمائندوں یا جاسوسوں یا چھاپہ مار دستوں کی سی ہوگی۔ ان کی مدد بھی حکومت پر واجب ہوگی اور انہیں جو مال وغیرہ ملے تو اس کی حیثیت مال غنیمت کی ہوگی۔

۳) اگر بہت سارے لوگ جو منعة بھی رکھتے ہوں حکومت کی اجازت سے دوسرے ملک میں کاروائی کریں تو ان کی حیثیت فوج کے مختلف دستوں کی ہوگی۔ حکومت پر ان کی نصرت واجب ہوگی اور جو مال وہ حاصل کریں وہ مال غنیمت متصور ہوگا۔

۴) اگر بہت سارے لوگ جو منعۃ بھی رکھتے ہوں دوسرے ملک میں کاروائی کریں لیکن انہیں حکومت نے باقاعدہ صریح اجازت نہ دی ہو تب بھی قانونا پوزیشن یہی ہوگی کہ ان کی حیثیت فوج کے مختلف دستوں کی ہوگی۔ اس کی وجہ سرخسی نے یہ ذکر کی ہے کہ ایک مضبوط جتھا جو فوجی اور سیاسی طاقت اور شوکت کا حامل ہو اور وہ کاروائی کے لئے اسلامی ملک سے کسی دوسرے ملک جاتا ہے تو یہ حکومت کے علم میں آئے بغیر نہیں ہوسکتا، اور جب حکومت نے باوجود علم کے انہیں جانے دیا تو یہ اس کی جانب سے خاموش تائید ہے جو صریح اجازت کے قائم مقام ہوجاتی ہے۔ اس لئے حکومت پر ان کی نصرت بھی واجب ہوگی اور جو مال وہ حاصل کریں وہ مال غنیمت ہی متصور ہوگا۔ (۵۰)

ہمارے نزدیک سرخسی کا یہ تجزیہ بالکل صحیح ہے اور اس کی روشنی میں جہادی تنظیموں کی صحیح حیثیت بہ آسانی متعین ہوجاتی ہے۔ جب حکومت نہ صرف یہ کہ لوگوں کو مسلح تنظیمیں بنانے کا موقع دیتی ہے، بلکہ انہیں ہر قسم کی سہولیات بھی فراہم کرتی ہے۔۔۔ ان کی ٹریننگ، ان تک اسلحہ کی فراہمی، ان کی سرحد پار کاروائی کرنا اور پھر واپس ملک لوٹ آنا۔۔۔ جب ان میں سے ہر ہر مرحلہ حکومت کی تائید اور نگرانی میں طے پاتا ہو تو پھر صریح اجازت محض ایک کاغذی کاروائی (Formality) ہوجاتی ہے۔ اس کاغذی کاروائی کے بغیر بھی قانونی پوزیشن یہی ہوگی کہ ان مسلح تنظیموں کی کاروائیاں حکومت کی اجازت سے ہی متصور ہوں گی۔

ثالثاً: اسلامی حکومت کی عدم موجودگی میں حق دفاع شخصی کے لئے منظم جدوجہد

جیسا کہ پیچھے اشارہ کیا گیا، کبھی کبھار شرط کی عدم موجودگی میں اس کا بدل اس کا قائم مقام بن جاتا ہے۔ اس اصول پر اگر کبھی اسلامی ملک پر حملے کے نتیجے میں وہاں کی حکومت کا عملاً خاتمہ ہوجائے اور ابھی جنگ جاری ہو تو دفاع کا فریضہ ادا کرنے کے لئے کسی جگہ باقاعدہ نظم حکومت قائم کرنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ مزاحمت کرنے والے آپس میں کسی کو امیر چن کر اس کی اطاعت کا اقرار کریں تو یہ حکومت کا بدل ہوجائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت اور ریاست بذات خود مقصد نہیں، بلکہ فریضۂ دفاع و اعلاء کلمۃ اللہ کے اچھے طریقے سے انجام دینے کے لئے ایک ذریعہ ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو کسی ظالمانہ نظام سے آزادی چاہتے ہوں تاکہ اپنے حقوق کا تحفظ کریں تو ان پر بھی ریاست و حکومت کے تحت لڑنے کی شرط لاگو نہیں ہوتی، بلکہ وہ تو لڑیں گے ہی اس مقصد کے لئے کہ اپنی ریاست اور حکومت قائم کرسکیں۔ یہ حق انہیں موجودہ بین الاقوامی قانون نے بھی دیا ہے اور شریعت نے بھی۔ (۵۱) امام سرخسی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم قوم مسلمانوں کے ملک پر حملہ کرے اور حملہ آور قوم کے ملک میں چند مسلمان عارضی یا مستقل طور پر مقیم ہوں تو ان پر جہاد کا فریضہ عائد نہیں ہوتا۔ جہاد اور نصرت کا فریضہ اصلاً اسلامی ملک میں مقیم مسلمانوں پر ہی عائد ہوتا ہے۔ یہ حکم اس وقت بھی ہوگا جب حملہ آور مسلمان مردوں کو قیدی بنائیں۔ تاہم اگر وہ مسلمان عورتوں اور بچوں کو قید کریں تو اب ان کا چھڑانا ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو اس کے لئے جدوجہد کی استطاعت رکھتا ہو، چاہے وہ غیر مسلم

ملک میں ہی مقیم ہو۔ (۵۲) ایسی صورت میں اگر وہ مسلح کاروائی کریں گے تو اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ وہ پہلے باقاعدہ حکومت قائم کریں، بلکہ اتنا ہی کافی ہوگا کہ وہ منظم ہوکر امیر کی اطاعت میں جنگ کریں۔ اس نکتے کی مزید وضاحت آگے آزادی کی تحریکوں کی شرعی حیثیت پر بحث کے ضمن میں آئے گی۔

مقدرت کی شرط

جہاد کے حوالے سے ایک اہم بحث قدرت واستطاعت کی ہے۔ ہر شرعی فریضے کی طرح جہاد کے لئے بھی مقدرت شرط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ (۵۳)

''اللہ کسی نفس پر اس کی مقدرت سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔''

عدم قدرت ہی کی وجہ سے نابینا اور دوسرے معذور افراد پر قتال کا فریضہ عائد نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لیس علی الضعفاء و لا علی المرضی و لا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للہ و رسولہ، ما علی المحسنین من سبیل، و اللہ غفور رحیم۔ (۵۴)

''ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو جہاد میں شرکت کے لئے راہ نہیں پاتے اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جبکہ وہ خلوص دل سے اللہ اور اس کے رسول کے وفادار ہوں۔ ایسے محسنین پر کوئی الزام نہیں۔ اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

البتہ عدم قدرت کے لئے کوئی لگا بندھا اصول نہیں ہے کیونکہ حالات میں تبدیلی کے ساتھ حکم بھی تبدیل ہوتا ہے، نیز مختلف زمانوں میں جنگ کے طریقے بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور آلات حرب اور ہتھیاروں کی نوعیت بھی وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ ایک زمانے میں ایک شخص قتال کے نااہل سمجھا گیا ہو اور دوسرے زمانے میں وہی شخص قتال کی قدرت رکھتا ہو، اور اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں معذورین سے رفع حرج کے ذکر کے ساتھ اذا نصحوا للہ و رسولہ کی قید لگی ہوئی ہے۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ قتال سے رہ جانے والوں سے یہ مطالبہ برقرار رہے گا کہ ان کی ہمدردیاں جنگ میں حصہ لینے والوں کے ساتھ ہوں۔ وہ جنگ میں عملی شرکت نہیں کرسکتے تو مالی امداد اداے کر ہی حصہ ڈالیں، مقاتلین کے اہل وعیال کا خیال رکھیں، دعاؤں میں مجاہدین کو یاد رکھیں، کم از کم دل میں تمنا رکھیں کہ کاش وہ بھی اس عظیم فریضے کے ادا کرنے کے اہل ہوتے اور اس فریضے کے ادا کرنے سے قاصر رہ جانے پر انہیں افسوس ہو۔

و لا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا و اعینھم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون، انما السبیل علی الذین یستاذنونک و ھم اغنیاء، رضوا بان یکونوا مع الخوالف و طبع اللہ علی قلوبھم فھم

لا یعلمون ۔ (۵۵)

''اور ان لوگوں پر بھی کوئی الزام نہیں جنہوں نے خود آ کر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے سواریاں بہم پہنچائی جائیں تو تم نے کہا کہ میں تمہارے لئے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا، پھر وہ واپس مجبوراً لوٹے اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس رنج کی وجہ سے کہ وہ اپنے خرچ پر جہاد میں شرکت کی مقدرت نہیں رکھتے۔ البتہ اعتراض ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے بھی پیچھے رہ جانے کے لئے تم سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ وہ اس پر خوش ہوئے کہ گھر بیٹھنے والیوں کے ساتھ بیٹھ رہیں، اور اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا، پس اب یہ اپنی شامت اعمال کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔'' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

من مات و لم یغز و لم یحدث به نفسه مات علی شعبة من نفاق ۔ (۵۶)

''جو اس حال میں مرا کہ نہ اس نے جنگ کی، نہ ہی اس کے دل میں جنگ میں شرکت کا خیال آیا تو وہ نفاق کے ایک شعبے پہ مرا۔''

اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ مسلمان فرد اور مسلمان امت دونوں انفرادی اور اجتماعی حیثیتوں میں قتال کے فریضے کی تیاری کریں اور دفاع کے لئے ہر وقت چوکس رہیں۔

یٰایها الذین آمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعا، و ان منکم لمن لیبطئن ۔ (۵۷)

''اے ایمان والو! دشمنوں کے مقابلے کے لئے ہر وقت چوکس رہو، پھر جیسا موقع ہو الگ الگ ٹولیوں کی صورت میں نکلو یا اکٹھے ہو کر۔ ہاں تم میں بعض ایسے بھی ہیں جو لڑائی سے جی چراتے ہیں۔''

و اعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخیل ترهبون به عدو الله و عدوکم و آخرین من دونهم، لا تعلمونهم الله یعلمهم، و ما تنفقوا من شیء فی سبیل الله یوف الیکم و انتم لا تظلمون ۔ و ان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی الله، انه هو السمیع العلیم ۔ (۵۸)

''اور جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے مہیا رکھو تا کہ ان کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعدا کو خوفزدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اور اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ پورا پورا تم کو لوٹا دیا جائے گا اور تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لئے آمادہ ہو جاؤ، اور اللہ پر بھروسہ رکھو، یقیناً وہی سب کچھ سننے والے جاننے والا ہے۔''

ان آیات میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہمہ وقت چوکس رہیں اور دفاع کے فریضے کی اس شان سے تیاری کریں کہ ان کے ظاہری اور چھپے ہوئے دشمن انہیں دیکھ کر حملے کی ہمت ہی نہ کریں۔ ساتھ ہی کہا گیا ہے کہ اگر دشمن صلح کرنا چاہے تو آپ اس کی پیشکش قبول کیجیے اور اللہ پر بھروسہ کیجیے۔ گویا مومن دوسروں پر جنگ مسلط نہیں کریں گے لیکن اپنے دفاع سے غافل بھی نہیں رہیں گے۔ وہ اس سلسلے میں اپنی مقدور بھر کوشش کریں گے اور ساتھ ہی اللہ کی مدد کا یقین بھی رکھیں گے۔ پس مقدرت کی شرط کا یہ مطلب نہیں کہ عدم قدرت کا بہانہ بنا کر جہاد اور دفاع کے فریضے کی ادائیگی کی فکر ہی چھوڑ دیں۔ بلکہ اس شرط کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ مسلمان امت میں اجتماعی طور پر بھی اور ہر فرد کی سطح پر بھی اس فریضے کی ادائیگی کی کوششیں جاری رہیں۔

عدم قدرت کی صورت میں قتال کا فریضہ عائد نہیں ہوتا لیکن، جیسا کہ پیچھے بیان ہوا، قدرت کے ناپنے کیلئے کوئی خاص پیمانہ وضع نہیں کیا گیا۔ بعض لوگ سورۃ الانفال کی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر دشمن کی تعداد مومنوں کی بہ نسبت دوگنی سے زیادہ ہو تو قتال فرض نہیں ہوتا۔ یہ استدلال کئی وجوہ سے غلط ہے۔ اولاً تو آیت میں اس کا بیان نہیں ہو رہا کہ مومنوں اور دشمنوں میں کیا نسبت ہو تو قتال کا فریضہ عائد نہیں ہوتا بلکہ بیان یہ ہو رہا ہے کہ اگر دشمنوں کی تعداد دوگنی بھی ہو تو مومن میدان جنگ سے فرار اختیار نہیں کر سکتے، انہیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ انہیں غلبہ دے سکتا ہے

الآن خففـ الله عنكم و علم ان فيكم ضعفا ، فان يكن منكم مائة صابرة يغلبوا مائتين ، و ان يكن منكم الف يغلبوا الفين باذن الله ، و الله مع الصبرين ۔ (۵۹)

''اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کیا اور جان لیا کہ تم میں کمزوری ہے۔ پس اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم ہوں تو وہ دوسو پر اور ہزار ہوں تو دو ہزار پر اللہ کے اذن سے غالب آئیں گے۔ اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ثابت قدم ہوں۔''

بارہا ایسا ہوا ہے کہ تعداد میں کم لوگ بہت بڑی لشکروں پر غالب ہو گئے ہوں۔ مسلمانوں کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله ۔ (۶۰)

''بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ ایک بڑے گروہ پر اللہ کے اذن سے غالب آیا ہے۔''

سورۃ الانفال کی آیت سے زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ اگر دشمنوں کی تعداد دوگنی سے بھی زائد ہو تو پھر مومن قتال کی کاروائی موخر کر سکتے ہیں بشرطیکہ ایسا کرنا ان کے بس میں ہو۔ یعنی مومنوں کو ایسی صورت میں قتال کی کاروائی شروع نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن اگر حملہ دشمنوں کی جانب سے ہو تو پھر تعداد کا لحاظ کیے بغیر خون کے آخری قطرے تک دفاع کا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ایسی صورت میں اگر ایک جگہ کے مسلمان کمزور ہوں اور

دفاع کی اہلیت نہیں رکھتے تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہوگا، یہاں تک کہ شرقاً وغرباً پوری دنیا کے مسلمانوں پر یہ فریضہ فرض عین کی صورت اختیار کرلے گا لیکن دفاع کا حکم ساقط نہیں ہوگا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مزید برآں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس عددی نسبت کا لحاظ تو اس زمانے میں رکھا جاسکتا تھا جب افرادی قوت ہی میدان جنگ میں اہم کردار ادا کرتی تھی۔ موجودہ دور میں جبکہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے فرد کی اہمیت کو نسبتاً کم کردیا ہے کیا زیادہ اہم سوال یہ نہیں ہوگا کہ ٹیکنالوجی کے لحاظ سے دشمن کہاں کھڑا ہے؟ اگر مسلمان فوج کی تعداد دس ہزار ہے مگر اس کے پاس روایتی بندوق ہیں اور دشمن کی تعداد سو ہے مگر اس کے پاس جدید ترین ہتھیار ہیں تو مقدرت کا اندازہ تعداد سے لگایا جائے گا یا اسلحے کی نوعیت سے؟

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تعداد کا اندازہ لگاتے ہوئے کیا صرف باقاعدہ فوج کو دیکھا جائے گا یا مسلمان آبادی کی کل تعداد دیکھی جائے گی؟ کیونکہ، جیسا کہ پیچھے بھی واضح ہوا اور آگے بھی ذکر آئے گا، بعض صورتوں میں قتال ہر ہر مسلمان پر نماز اور روزے کی طرح فرض عینی کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ کیا اس کا لازمی تقاضا یہ نہیں ہے کہ ہر مسلمان کم از کم بنیادی فنون سپہ گری اور اسلحے کے استعمال سے واقف ہو، بنیادی فوجی ٹریننگ ہر شہری کو دی گئی ہو اور شہری دفاع کے اصولوں سے بھی واقف ہوں؟ ہمارے نزدیک تو شریعت کے احکام کا مقتضی یہی ہے۔ ہوسکتا ہے بعض لوگ اسے تشدد پسندی قرار دیں کیونکہ ہوا ہی آج کل ایسی چلی ہے کہ عام شہری کا تو فوجی امور سے واقفیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا فوجیوں کو بھی بھل صفائی اور میٹر ریڈنگ کے کام سونپ دیے جاتے ہیں۔ بقول اقبال ؎

شکایت ہے مجھے یا رب! خداوندان مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

آزادی کی تحریکیں اور جہاد:

اگر مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں مقیم ہیں اور وہاں انہیں اپنے دین پر عمل کی اجازت نہیں دی جاتی یا ان پر دیگر مظالم ڈھائے جاتے ہیں تو ان کے سامنے دو راستے ہوں گے: یا تو وہ کسی مسلم ملک کو یا ایسے غیر مسلم ملک کو ہجرت کریں جہاں وہ ان مظالم سے بچ سکیں۔ یا وہ خود اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے وہیں مقیم رہ کے جدوجہد کریں۔ یہ مؤخر الذکر صورت آزادی کی تحریک میں بھی تبدیل ہوسکتی ہے۔ اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ وہ مسلح جدوجہد ہی کریں۔ بلکہ اصولاً تو انہیں پہلے پرامن ذرائع ہی اختیار کرنے ہوں گے۔ تاہم اگر ضرورت پڑے تو اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے وہ طاقت کا استعمال بھی کرسکتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ کسی کو امیر چن کر قتال کا راستہ اختیار کرسکتے ہیں۔ ہجرت اور حق خود ارادیت کی تحریک، ہر دو صورتوں میں وہ دیگر اسلامی ممالک سے مدد بھی طلب کرسکتے ہیں اور ان ممالک پر ان کی مدد واجب ہوگی الا یہ کہ وہ اس محارب ملک کیساتھ امن کے معاہدے میں بندھے ہوں۔ اسکی مزید وضاحت آگے آئیگی۔

مسلمان پر اس سرزمین سے ہجرت واجب ہو جاتی ہے جہاں وہ اپنے دین پر عمل نہ کرسکتا ہو۔قرآن کریم نے صراحتاً ان لوگوں کو جہنمی ٹھرایا ہے جو استطاعت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کریں اور دین پر عمل سے بھی رکے رہیں۔

ان الذین توفٰهم الملئكة ظالمی انفسهم، قالوا فیم كنتم، قالوا كنا مستضعفین فی الارض، قالوا الم تكن ارض الله واسعة فتهاجروا فیها، فاولئك ماوٰهم جهنم، وساءت مصیرا۔ الا المستضعفین من الرجال و النساء و الولدان الذین لا یستطیعون حیلة و لا یهتدون سبیلا۔ فاولئك عسی الله ان یعفو عنهم، و كان الله عفوا غفورا۔ (۶۱)

’’جو لوگ اپنے اوپر ظلم کررہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا ہی برا ٹھکانا ہے! ہاں جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کردے۔اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔‘‘

امام ابن قدامہ نے ہجرت کی مختلف صورتوں کے حکم کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ کسی غیر مسلم ملک میں مسلمانوں کو یا تو دین پر عمل کی اجازت ہوگی یا نہیں ہوگی۔پھر ہر دو صورتوں میں وہ یا تو ہجرت کی استطاعت رکھتے ہوں گے یا نہیں ہوں گے۔یوں کل چار صورتیں ہو جاتی ہیں:

۱) اگر انہیں دین پر عمل نہیں کرنے دیا جارہا اور وہ ہجرت کی استطاعت رکھتے ہوں تو ان پر ہجرت واجب ہوگی۔

۲) اگر انہیں دین پر عمل کی اجازت بھی ہو اور وہ ہجرت کی استطاعت بھی رکھتے ہوں تو ان پر ہجرت واجب تو نہیں ہوگی البتہ مندوب ہوگی کیونکہ غیر مسلموں کے بیچ میں رہ کر وہ اپنے اور اپنی اولاد کے دین کو خواہ مخواہ خطرے میں ڈال رہا ہے۔مزید یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر وہ انہیں تقویت پہنچا سکے گا۔

۳) اگر انہیں دین پر عمل کی اجازت نہیں لیکن وہ ہجرت کی استطاعت بھی نہ رکھتے ہوں تو ان کیلئے ہجرت نہ واجب ہوگی اور نہ ہی مندوب۔البتہ کم از کم جائز ہوگی اور دیگر علاقوں کے مسلمانوں پر ان کی مدد واجب ہوگی۔

۴) اگر انہیں دین پر عمل کی اجازت ہو لیکن وہ ہجرت کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو ان کے لئے بھی ہجرت نہ واجب ہوگی اور نہ ہی مندوب، البتہ کم از کم جائز ہوگی۔ابن قدامہ نے اس صورت کا ذکر نہیں کیا، تاہم اس کے استدلال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس صورت میں ہجرت کو واجب یا مندوب نہ کہا جائے۔ (۶۲)

(جاری ہے)